© rasailojaraid.com

سلطان محمد بن تغلق شاہ اور بنو عباس

پروفیسر علی محسن صدیقی

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ = ۱۳۲۵ تا ۱۳۵۱ء) نہ صرف اپنے پیش رو سلطان غیاث الدین تغلق شاہ اور اپنے جانشین سلطان فیروز شاہ سے، بلکہ تمام سلاطین دہلی سے بے حد مختلف تھا۔ وہ ان سے مدرسی علوم وفنون میں افضل تھا۔ اس نے اپنے عہد کے جید علماء سے کسب فیض کیا تھا اور علوم متداولہ پر اسے دسترس حاصل تھی۔ وہ نرا مقلد نہ تھا، بلکہ علوم پر مجتہدانہ نظر رکھتا تھا اور غور وفکر اس کی عادت ثانیہ تھی۔ کورانہ تقلید اور غلو آمیز عقیدت سے، علمی مباحث کی حد تک، وہ کوسوں دور تھا۔ وہ اپنے عہد کے قضاۃ، علماء، فقہاء وفلاسفہ سے علمی مجالس اور نجی محافل میں عالمانہ گفتگو کرتا، اپنے موقف پر دلائل دیتا اور انہیں قائل کرتا تھا۔ ظاہر ہے ایک ایسا شخص، جیسا کہ سلطان تھا، مطلق انسانی اقتدار کے سبب جادۂ اعتدال سے منحرف اور غرور دانش کے فتور سے شتر بے مہار ہو جاتا ہے۔ اس کی ناخوش اندیشی، اکثر، خرد کے دائرے سے نکل کر جہل کے حلقہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اپنی رائے کی اصابت پر اسے اصرار ہوتا ہے اور جب اس کے نفاذ پر اسے مستبدانہ قدرت بھی حاصل ہو، تو حق باطل سے، علم جہل سے اور عدل ظلم سے بدل جاتے ہیں، نہ ایسے شخص کو اس کے فریق مخالف کے دلائل مطمئن کر سکتے ہیں اور نہ تحمل وحلم، کہ علم وآگہی کا فیضان ہوتے ہیں، اسے اعتدال کی راہ پر گامزن ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ سلطان محمد بن تغلق وفور علم اور فتور عقل کی غیر متوازن طاقت کے باعث غیر معتدل شخصیت کا مالک اور بقول مورخ برنی ''مجموعہ اضداد'' تھا[۱] اس کی چھبیس (۲۶) سالہ سلطانی علم بے محابا اور عقل خیرہ سر کی بوالعجبیوں کی ایک عبرت انگیز اور افسوس ناک داستان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان محمد بن تغلق شاہ کی ان ناخوش اندیشیوں کے باعث اس کے مداح روز بروز کم ہوتے گئے اور اس کے نکتہ چیں دن دن بڑھتے گئے۔ اس کی وسیع وعریض سلطنت کے حدود سکڑتے گئے، نتیجتاً اس کے مسائل گھمبیر ہوتے اور اس کا بے تاب مزاج چڑ چڑا ہوتا گیا۔ ویسے بھی عفوو درگزر کی اعلیٰ صفات اس کی کتاب اخلاق میں شاذ ونادر ہی تھیں۔ مسلسل ناکامیوں نے ان نادر الوجود خوبیوں کو یکسر محو کر دیا۔ اس کے مزاج میں سختی اور اس کے عمل میں تشدد کے عنصر نمایاں ہونے لگے۔ معمولی جرائم کی سزا قتل اور ان بے جا وفرضی الزامات سے انکار قتل کے ساتھ تعذیب کی صورت میں رونما ہونے لگا۔ وہ نت نئی اسکیمیں سوچتا، اس کا پندارہ بے محابا اقتدار سے قوی دست تھا۔ ان اسکیموں کو قوت سے فعل میں اور خیال محض سے عمل میں لانے پر سیماب وش بے تاب رہتا تھا۔ وفور علم وعقل اور اقتدار مطلق العنان نے اسے یہ باور کرا دیا تھا کہ محال و ناممکن نام کی کوئی چیز نہیں ہے، وہ اپنے زرخیز دماغ اور بے پایاں ملکی دولت کے بل پر ''قراچل'' کی سنگستان فیصلوں کو منہدم کر سکتا ہے، خراساں کے مرغزاروں اور ریگستانوں کو ذرۂ بے مقدار کی طرح روند سکتا ہے اور مسِ خام کو زرِ خالص کا متبادل بنا سکتا ہے[۲] ان خیال آفرینوں نے کہ خام خیالی کی گود میں پل کر جوان ہوئی تھیں اور جنھیں عمل کی کسوٹی پر پرکھنے کی زحمت گوارا نہ گئی تھی، سلطان کی ابتدائی کامیابیوں کو ناکامیوں کی بھینٹ چڑھا دیا اور اپنی عقل ودولت کی طاقت کے بل پر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی سعی لاحاصل نے اسے صلاح ومشورہ کی افادیت سے بے بہرہ کر دیا۔ ہر وہ مشورہ جو اس کی رائے کے خلاف ہوتا، اس کے نزدیک حکم عدولی کے زمرے میں آتا اور اسکی یہ خود پرستی، کہ جہل کی گود میں پلی تھی، مزید تشدد، سختی اور ظلم کا سبب بنی۔ اس کی بے اعتدالیوں کا یہ سیل بے پناہ اس کی اعلیٰ صفات کو بھی اپنے ساتھ بہالے گیا[۳]۔

سلطان محمد بن تغلق بادشاہی سے متعلق ایک مخصوص نظریہ رکھتا تھا۔ اس کے وسیع مطالعہ اور طویل غور وفکر نے اس نظریہ کو ہر قسم کے نقص سے پاک اور درست قرار دیا تھا، اور اس کے خیال میں وہی معیارِ حق اور میزانِ صداقت تھا۔ وہ علماء وامراء سے بحث کرتا اور زعم خرد کے سبب یہ نظریہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید موثق ومعتبر ٹھہرتا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس عہد میں جید علماء وفضلاء نہ تھے، جو سلطان پر علمی فضیلت رکھتے ہوں، مگر مشکل یہ تھی کہ وہ ان کے دلائل کو پا در ہوا سمجھتا تھا اور یہ اصحاب علم وفضل اس کے جبر کی باعث دلائل کی فصیلیں یا تو تعمیر نہ کر پاتے یا پھر سلطان اپنی خام خیالی اور خیرہ سری کی وجہ سے ان دلائل اور براہین کو ہوائی قلعوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اور یہ فضلاء مجبوراً خاموش ہو جاتے تھے۔ آئین جہاں بانی اور دستور حکمرانی سے متعلق سلطان کے خیالات کا کسی قدر اندازہ ان چند اوراق سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اس کی خود نوشت کی صورت میں ہم تک پہنچتے ہیں [۴]۔ اس عہد کے نامور مورخ ضیاء الدین برنی کا ''فتاوائے جہاں داری''، قیاس چاہتا ہے کہ سلطان کے اسی مزعومہ آئین جہاں داری کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ وہ ''ترک ساسانی آئین بادشاہی'' کے مطابق عوام وخواص پر امر ونہی کے مستبدانہ اختیارات کا مالک تھا۔ اور اسلام نے انھیں تائید مزید مہیا کی تھی۔ اس کے خیال میں ''الدین والملک توامان'' یعنی مذہب اور سلطنت دونوں جڑواں تھے۔ اس بناء پر اپنے ہر منصوبہ پر عمل کرنے سے پہلے وہ قضاۃ، فقہاء وعلماء سے بحث کرتا اور اپنے موقف کی تائید میں دلائل دیتا تھا [۵]۔

سلطان بجا طور پر یہ سمجھتا تھا کہ اسلام میں سیاسی قوت کا منبع ''خلافت وامامت'' کا منصب ہے۔ اور ''سلطنت'' کو اسی وقت اعتبار واختیار حاصل ہو سکتا ہے جب اسے اسلامی اصول کے تحت برپا ہونے والی ''خلافت وامامت'' کی جانب سے سند توثیق عطا کی جائے۔ اسلامی سیاسی فکر پر لکھنے والوں مثلاً ابوالحسن علی الماوردی، عبدالقاہر البغدادی اور ابویعلٰی الفراء وغیرہ کے ہاں دوسری صدی ہجری (۱۳۲ھ/۷۵۰ء) میں قائم ہونے والی بغداد کی ''خلافتِ عباسیہ'' کو یہ حیثیت حاصل تھی۔ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء تک ''خلافت عباسیۂ بغداد'' کو دنیائے اسلام کا جائز اسرہ حاکمہ خیال کیا جاتا تھا۔ ہر چند کہ تیسری صدی ہجری کے وسط (۲۴۷ھ/۸۶۱ء) میں خلافت عباسیہ اپنا بالفعل اقتدار کھو چکی تھی، لیکن سامانی، غزنوی اور سلجوقی سلطنتیں اسی سے سند حکومت حاصل کرتی تھیں، اور بظاہر بے دست وپا خلیفہ کے عطاء کردہ اختیارات حکمرانی کی اساس پر ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمہ مقتدر سلطنتیں قائم تھیں[۶] ''سلطنتِ دہلی'' غزنویوں اور غوریوں کی سلطنتوں کا یک گونہ تسلسل تھی، اسی لیے اسے بھی ''خلافت عباسیہ'' سے سند حکومت حاصل کرنی تھی تا کہ اسے جائز اور درست قرار دیا جاسکے۔ چنانچہ ''سلطنتِ دہلی'' نے اپنے دوسرے سلطان شمس الدین التتمش (۶۰۷ـ۳۳ھ / ۱۲۱۰ـ۳۵ء) کے عہد میں عباسی خلیفۂ عصر امیر المومنین المستنصر باللہ (۶۲۳ـ۶۴۰ھ/۱۲۲۶ـ۱۲۴۲ء) سے ۶۲۶ھ /۱۲۲۹ء میں باقاعدہ حکومت، نیابتِ اقتدار اور خلعتِ بادشاہی حاصل کی تھی۔ اگرچہ ۶۲۲ھ /۱۲۲۵ء میں عباسی خلیفہ امیر المومنین الناصر لدین اللہ (۵۷۵ـ۶۲۲ھ/ ۱۱۸۰ـ۱۲۲۶ء) کے دربار سے سلطان شمس الدین التتمش کو سند حکومت مل چکی تھی، لیکن باقاعدہ ''سند توثیق'' اس کے پوتے امیر المومنین المستنصر باللہ کے عہد میں عطاء کی گئی۔ ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ''تاتارگردی'' کے نتیجہ میں ہولاکو کے ہاتھوں آخری عباسی خلیفہ امیر المومنین المستعصم باللہ (۶۴۰ـ۶۵۶ھ/ ۱۲۴۲ـ۱۲۵۸ء) کی شہادت کے ساتھ عباسیوں کی خلافت ختم ہوگئی لیکن کم از کم سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ـ۶۸۶ھ/ ۱۲۶۶ـ۱۲۸۷ء) کے عہد تک ''سلطنت دہلی'' میں اسی عباسی امیر المومنین کا خطبہ پڑھا جاتا رہا اور اس کی نیابت میں سلاطینِ دہلی حکومت کرتے رہے، اگرچہ اس کی بساط خلافت کب کی الٹ چکی تھی۔ یہ صورت حال، ایک سیاسی مجبوری کا منطقی نتیجہ تھی[۷]

سلطان محمد بن تغلق کو اپنی حکومت کو ''نظریاتی بنیاد'' فراہم کرنے کی غرض سے خلافت کی جانب سے ''سند توثیق'' کی ضرورت تھی لیکن اس وقت تک ''آں کوزہ بشکست و آب بریخت'' اور ''خلافت عباسیہ'' کب کی مرچکی تھی۔ خلافتِ عباسیہ کے ہولاکو کے ہاتھوں تہس نہس ہوجانے کے بعد مصر میں ''ممالک مصر و شام'' کی ''تولیت'' میں ۶۵۹ھ (۱۲۶۲ء) میں ایک ''برائے نام'' عباسی خلافت قائم ہوئی جو ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) تک ''ممالیک مصر'' کی حکومت کے ساتھ قائم رہی۔ اسی خلافت کی عطاء کردہ ''سند جواز'' کی بناء پر سلاطین مملوک، مصر، شام اور یمن پر حکومت کرتے تھے[۸] سلطان محمد بن تغلق کی نگاہ اسی مصری عباسی خلافت کی جانب اٹھی۔ ۷۴۴ھ (۱۳۴۳ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس کی درخواست پر قاہرہ سے دہلی سفارت آئی۔ اس وقت کے عباسی خلیفہ مصر الحاکم بامر اللہ (۴۸-۱۴۱ھ/ ۴۷-۱۳۳۹ء) کی جانب سے تشریف خلافت، پروانۂ حکومت اور لوائے حاکمیت دہلی آئے[۹] خلیفہ کے قاصد حاجی سعید صرصری کا شاندار استقبال کیا گیا۔ سلطان نے اس کی پذیرائی میں حد درجہ غلو سے کام لیا اور اس میں اس قدر اہتمام کیا کہ عقل اس کی توجیہہ کرنے سے قاصر ہے مثلاً سلطان تمام امراء علماء و معارف کے ہمراہ پا پیادہ اور ننگے پاؤں اس کے حضور گیا، اس کے پاؤں کو بار بار سر برزمین ہو کر بوسہ دیا۔ شہر کو بڑے اہتمام سے سجایا گیا۔ بقول مورخ برنی سلطان نے سورگ دواری اور بعد از اں دہلی سے مصر کے مسلوب الاختیار اور بے حیثیت عباسی خلیفہ سے منشور حکومت، نیابت اقتدار اور لواء حاکمیت کی درخواست کی۔ دہلی میں اپنے نام کے سکّے مسکوک کرنے کا کام معطل کر دیا، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کو موقوف کر دیا۔ حاجی سعید صرصری کو اپنے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا اور جب وہ تخت سے اتر کر اپنی قیام گاہ پر جانے لگا تو خود تخت سے اتر کر اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور اسکے پاؤں کو زمین بوس ہو کر چوما۔ اس کے دو سال بعد جب ایک دوسرا مصری سفیر اور شیخ الشیوخ دہلی آئے تو ان کے اعزاز داکرام میں ایسے ایسے اہتمام کیے گئے کہ باید وشاید، انھیں تخت پر بٹھایا گیا، ان کے پاؤں چومے گئے اور نہایت گراں قدر تحائف مصر بھیجے گئے۔ حکم دیا گیا کہ خطبوں میں صرف انھیں سلاطین کے نام لیے جائیں جن کو خلیفہ کی جانب سے، حکومت کے اختیارات عطا ہوئے ہوں بصورت دیگر وہ سلاطین متغلب ہیں اور ان کی حکومتیں ناجائز۔ سلطان محمد بن تغلق کی عباسیوں سے یہ کورانہ عقیدت تمام حدود عقل سے متجاوز تھی۔ ابن بطوطہ نے بغداد کے ایک فرد غیاث الدین محمد عباسی کا ذکر کیا ہے۔ یہ شخص چھتیسویں عباسی خلفیہ بغداد المستنصر باللہ کی نسل میں تھا۔ بغداد میں وہ حد درجہ مفلوک الحالی کی زندگی گزار رہا تھا اور کسی مسجد میں پیش امام تھا اور ایک درم یومیہ اجرت پاتا تھا۔ اسے پتا چلا کہ ماوراء النہر کا ترک حکمراں سلطان علاء الدین ترمہ شیریں نیا نیا مسلمان ہوا ہے اور فقراء و مساکین کی خبر گیری کرتا ہے۔ چنانچہ یہ غیاث الدین محمد بغداد سے ماورالنہر روانہ ہوا۔ اور بغداد کی مسجد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امامت اپنے صاحب زادے کے حوالہ کردی، سمرقند میں سلطان ترمہ شیریں نے اس بزرگوار کو حضرت قثم بن عباسی کے مزار کا مجاور مقرر کردیا، یوں اس کی معاش کا دھندا چل نکلا یہیں اس شخص کو بادشاہِ ہندوستان سلطان محمد بن تغلق کی عباسیوں سے عقیدت کا علم ہوا چنانچہ بغداد کا یہ مفلس پیش امام اور سمرقند کا یہ مجاور ہندوستان چل پڑا۔ یہاں پہنچ کر قسمت اس پر کس قدر مہربان ہوئی یہ داستان ابن بطوطہ کی زبانی سنئے اور سلطان کی سیرت کے اس پہلو پر غور کیجیے [۱۰]

''غیاث الدین محمد عباسی نے ماوراء النہر کے قیام کے زمانہ میں سلطان محمد بن تغلق کی دریا دلی اور بنوعباسی سے اس کی بے پناہ عقیدت کا حال سنا، تو دولت کمانے کی حرص اس کے سینے میں مچلنے لگی۔ اس نے ایک خط کے ساتھ اپنے دو قاصدوں کو دہلی روانہ کیا۔ دہلی پہنچ کر ان دونوں نے عباسی کا عریضہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے دہلی میں موجود بعض لوگوں سے اس کے نسب کے بارے میں دریافت کیا، ان لوگوں نے اس کے صحیح النسب ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ سلطان نے عباسی کو دہلی آنے کی دعوت دیدی اور اپنے دست خاص سے اسے ایک خط تحریر کیا جس میں اس کی تعظیم و تکریم میں بڑا مبالغہ کیا اور دہلی تشریف لانے کی مودبانہ درخواست کی۔ دونوں قاصدوں کو پانچ (۵) ہزار اشرفیاں (دینار) پیش کیں اور عباسی کی خدمت میں (۳۰) ہزار اشرفیوں کا نذرانہ بطور زادراہ ماوراء النہر روانہ کیا۔ سلطان کے مکتوب اور زادِراہ کی خطیر رقم موصول ہونے کے بعد غیاث الدین محمد عباسی سمرقند کی مجاوری چھوڑ کر دہلی روانہ ہوا۔ جب وہ سندھ کی سرحد میں داخل ہوا تو خبرنویسوں نے اس کی آمد کی اطلاع دہلی بھیجی۔ یہاں سے سلطان نے عباسی کی پذیرائی اور عزت افزائی کی غرض سے امرءدربار کو روانہ کیا۔ بعدازاں جب وہ سرستی پہنچا تو دہلی سے اس کے استقبال کے لیے صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور فقہاء کی ایک جماعت کو وہاں بھیجا۔ اس کے فوراً بعد امراء دربار کو خیر مقدم کے لیے بھیجا۔ جب عباسی دارالحکومت دہلی کے مضافات میں قصبہ مسعود آباد آیا، تو سلطان بنفس نفیس اس کے استقبال کے لیے امراء، فقہاء اور درباری مشائخ کے جلوس میں دہلی سے مسعود آباد گیا۔ جب غیاث الدین محمد عباسی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان کی سواری دیکھی تو پیادہ پا ہوگیا۔ سلطان بھی اس کے احترام میں گھوڑے سے اتر کر زمین بوس ہوا اور آداب دکورنش بجالایا۔ عباسی نے بھی یہی عمل دہرایا۔ اس کے بعد عباسی نے پارچہ جات کے تختے (تھان) سلطان کی نذر کیے۔ سلطان عام آدمی کی طرح خدام کے انداز میں ان پارچہ جات کو اپنے کندھے پر رکھ کر زمین بوس ہو کر آداب بجالایا۔ اس زمین بوسی، آداب وتسلیمات کے بعد سلطان نے شاہی اسپ خاص کی لگام پکڑ کر سواری کے لیے عباسی کی خدمت میں پیش کیا اور بڑے اصرار سے اس پر سوار ہونے کی درخواست کی۔ جب تک عباسی اس راہوار شاہی پر سوار نہ ہولیا، سلطان خدام کی طرح اس کی رکاب تھامے کھڑا رہا۔ عباسی کے سوار ہونے کے بعد سلطان سوار ہوا اور یہ جلوس دارالحکومت کی سمت تزک واحتشام سے روانہ ہوا۔ چتر شاہی جو سلطان کے امتیازات میں سے ہے، وہ سلطان کے ساتھ عباسی کے سر پر بھی سایہ فگن رہا (گویا اقتدار حکومت میں وہ بھی سلطان کا سہیم وشریک تھا)۔ اثنائے راہ میں سلطان نے اپنے دست مبارک سے اپنے خاصہ کا ایک ''بیڑۂ پان'' نکال کر ''مقدس مہمان'' کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ایسا اعزاز تھا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، کیونکہ سلطان کسی کو ''بیڑۂ پان'' اپنے ہاتھ سے پیش نہیں کرتا تھا۔ بہر کیف ''مہمانِ گرامی'' نے اسے قبول کر کے نوش جان فرمایا (بغداد کے قلاش ملا اور سمر قند کے مجاور نے جب پہلی بار ''بیڑۂ پان'' کو نوش فرمایا ہوگا تو اس پر کیا گزری ہوگی، اس کا کچھ اندازہ ان حضرات کو ہوسکتا ہے جنھوں نے پہلی مرتبہ کسی ''تقریب سعید'' میں ''خاصدان'' کے ''بیڑۂ تنبول'' سے مجبوراً کام ودہن کو آلودہ اور خود کو سرخ رد کیا ہوگا۔ خیر سے عباسی یہ کڑی جھیل گیا، کیونکہ بعد میں اس کی اس ''منہ زوری'' سے اس کی کسی بیماری وناآرامی کا پتا نہیں چلتا)۔ دارالخلافہ کے اس سفر کے دوران سلطان نے نہایت عاجزی سے کہا ''اگر میں نے عباسی خلیفہ مصر ابوالعباس کی بیعت خلافت نہ کی ہوتی، تو آپ کی بیعت کر لیتا''

جواب میں عباسی نے کہا اس نے بھی اسی مصری عباسی خلیفہ کی بیعت کر رکھی ہے (حیرت ہے کہ مصر کے عباسی خلفاء ممالیک مصر کے قیدی تھے اور مصر، شام ویمن کے باہر ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی عمل دخل نہ تھا، بغداد میں رہنے والا عباسی کہ سلاطین ''ایل خانی'' کی رعایا، بلکہ وظیفہ خوار تھا، یا سمرقند جا کر ترکان چغتائیہ کا زلہ رہا تھا، کسی مصری خلیفہ کی بیعت کیسے کر سکتا تھا، خیال ہے کہ اس نے سلطان کی خام خیال کی پختگی کی خاطر یہ سخن سازی کی ہوگی)۔

قصہ مختصر جب یہ سواری اس سراچہ (سراچہ، سراپردہ، خیمۂ راوٹی) کے قریب پہنچی جو سلطان کے قیام کے لیے تیار کیا گیا تھا، تو سلطان نے اس میں عباسی کو ٹھہرایا اور اپنے قیام کی غرض سے ایک دوسرا سراچہ برپا کر دیا۔

دونوں نے وہ رات شہر کے باہر بسر کی۔ دوسری صبح یہ جلوسِ شاہی مسعود آباد سے چل کر ''دارالملک'' میں داخل ہوا۔

سلطان نے غیاث الدین محمد عباسی کو مستقل سکونت کی غرض سے ''سیری'' کا شہر عطا فرمایا۔ اس کی ذاتی رہائش کے لیے وہ محل دیا جسے سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین مبارک خلجی نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی گھریلو ضروریات کے لیے سونے اور چاندنی کے برتن بھجوائے، ان میں ایک مغتسل (نہانے کی ناند، Bathing Tub) بھی تھا جو سونے کا تھا۔ عباسی کی خدمت اور خانگی امور کی انجام دہی کی غرض سے نوجوان چھوکرے، خدمت گزار اور نوخیز چھوکریاں مہیا کی گئیں (غسل الراس، سرشتی)، ''سردھونے'' کے نام سے چار لاکھ اشرفیاں (دینار، تنکۂ زر) عباسی کی زندگی کی نذر کی گئیں (سرشتی اس رقم کو کہتے تھے جو سلطان ہر نو دار کو اس کی حیثیت کے مطابق اصلاح حال اور ضروری اخراجات کی مد میں دیتا تھا) غیاث الدین محمد عباسی کے دیگر اخراجات کے لیے تین (۳) سو اشرفیاں (دینار) یومیہ مقرر کی گئیں۔ انواع و اقسام کے کھانے کے خوان اس پر مستزاد تھے۔ سارا شہر سیری مہمان گرامی قدر کو عطاء کر دیا گیا یعنی شہر مذکور کے تمام مکانات، قطعات، باغات، ذخیرہ اور اراضی اسے ہبہ کر دی گئیں۔ مزید برآں ایک سو (۱۰۰) دیہات نذر کیے گئے۔ دہلی سے متصل پورب کے سارے قصبات و دیہات عباسی کی جاگیر میں دیئے گئے۔ بار برداری کے لیے تیس (۳۰) خچر دیئے گئے جن کی زینیں زرین تھیں۔ ان خچروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چارے کی ذمہ داری مخزن (سلطانی انبار خانہ) کے ذمہ تھی (سلطان نے جو عنایتیں غیاث الدین محمد عباسی پر کیں ان کی بدولت وہ مال وزر اور اعزاز و کرام کی اس بلندی پر پہنچ گیا جو اس کے قرابت دار مصر کے عباسی سجادہ نشینِ خلافت کی بھی پہنچ سے بالا تر تھی، بلکہ بغداد کے آخری، مسلوب الاختیار خلفاء بھی اس سر بلندی کی آرزو ہی کر سکتے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے تھے ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔

غیاث الدین محمد عباسی کے اعزاز و اکرام میں سلطان نے حد درجہ اہتمام کیا، مثلاً یہ حکم دیا گیا کہ عباسی قصر شاہی میں آئے تو اپنی سواری سے نہ اترے اور وہاں تک سوار آئے جس سے آگے سلطان کے سوا کوئی دوسرا سوار ہو کر نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان نے ہر خرد و کلاں کو یہ حکم دیا کہ عباسی کی پذیرائی اسی طرح کی جائے اور زمین بوسی، کورنش اور آداب ویسے ہی بجا لائے جائیں جیسے کہ خود سلطان کے لیے بجا لائے جاتے ہیں۔ چنانچہ عباسی سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو سلطان تخت سے اتر کر اس کا استقبال کرتا، کورنش بجا لاتا اور اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا۔ اگر سلطان کرسی پر بیٹھا ہوتا تو عباسی کے احترام میں کھڑا ہو جاتا دونوں کورنش بجا لاتے، ایک اور کرسی لائی جاتی جس پر وہ براجمان ہوتا'' [۱۱]۔

ہم نے سطور گزشتہ میں غیاث الدین محمد عباسی کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم و تکریم اور سلطان محمد بن تغلق کی غلو آمیز و حیرت خیز عقیدت کا حال نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جو شخص اپنی خود پسندی و خیرہ سری کے باعث خود کو عقل کل، ہمہ مقتدر و صاحب فہم و ذکاء خیال کرتا تھا، ایک معمولی شخص کے ساتھ سفاہت انگیز ''کسر نفسی'' کا جو ''مظاہرہ'' کر رہا تھا، ایا دہ عقل کی روباہ صفتی تھا یا بد عقلی کی ابلہ فریبی محمد عباسی ہی نہیں کہ بے زر تھا، کہ سلطان کی غلط بخشیوں نے اسے زردار بنا دیا، بلکہ وہ بخل و تقطیر کی خوئے بد کا شکار بھی تھا۔ قطع رحم اور کج خلقی کے عیوب اس بخل پر مستزاد تھے۔ ہم ابن بطوطہ سے محمد عباسی کی سیرت کے اس پہلو سے متعلق چند واقعات نقل کریں گے کہ خواجہ شیراز کے اس شعر کا مصداق وہی ہے [۱۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوقِ زریں ہمہ درگردنِ خرمی بینم

''میری (ابن بطوطہ کی) غیاث الدین محمد عباسی سے دوستی تھی اور اکثر اس کے ہاں جاتا رہتا تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ ہمیشہ تنہا کھانا کھاتا تھا اور اس کے دستر خوان پر اس کا کوئی دوست یا میزبان شریک طعام نہ ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بڑی صفائی سے اس بات کا اعتراف کیا وہ اپنے ساتھ کسی اور کو کھانا کھاتے دیکھ نہیں سکتا اور اس صدمہ کو برداشت کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہے''۔

''بخل کی وجہ سے اس کے محل کی ڈیوڑھی میں کبھی چراغ جلتے میں نے نہیں دیکھا، حالانکہ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں آنے والوں اور وہاں سے جانے والوں کو جن میں وہ بھی شامل تھا، بڑی زحمت ہوتی تھی''۔

''ایک دفعہ میں نے دیکھا، وہ اپنے باغ میں چھوٹی چھوٹی لکڑیاں چن رہا تھا، دریافت کرنے پر بتایا کہ مجھے ان لکڑیوں کی ایندھن کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ان لکڑیوں سے محل کا مخزن (گودام) بھرا پڑا تھا''۔

''مجھ پر دہلی کے قیام کے زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ میں مقروض ہو گیا، قرض خواہوں کے بار بار کے تقاضوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ میں نے عباسی سے قرض بھگتانے کی غرض سے قرض مانگا اور وعدہ کیا کہ جاگیر سے رقم آتے ہی ادائیگی کر دوں گا، لیکن عباسی ٹس سے مس نہ ہوا اور مجھے قرض نہ دیا۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد جب میرے پاس رقم آ گئی اور میں نے قرض ادا کر دیا، تو عباسی نے مجھے یہ بتایا کہ ''میں تمھاری پریشانیوں سے فکرمند ہوا اور چاہا کہ تمھیں قرض دیدوں، مگر اس رقم کی بھرپائی میرے بس میں نہ تھی اور اس صدمہ کو برداشت کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا''۔

اب غیاث الدین محمد عباسی کی دولت مندی اور اپنے مفلوک الحال بیٹے کی ''دُرِ وشا''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بے حسی کا واقعہ بھی سنیئے۔

''میں (ابن بطوطہ) ہندوستان سے واپسی پر بغداد گیا، وہاں المستنصر یہ (یونیورسٹی) کے صدر دروازہ پر بیٹھا ہوا بعض طلبہ سے بات چیت میں مشغول تھا کہ ایک خستہ حال و پراگندہ بال نوجوان کو (یونیورسٹی کے) دروازہ سے نکلنے والے ایک شخص کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ مجھے یہ منظر بڑا عجیب سا لگا، میں نے ایک طالب علم سے دریافت کیا، ماجرا کیا ہے؟ اس نے مجھے بتایا کہ یہ نوجوان جسے آپ دیکھ رہے ہیں، غیاث الدین محمد عباسی کا، جس کو آپ نے ہندوستان میں ضرور دیکھا ہوگا، بیٹا ہے۔ یہ سن کر میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ میں حال ہی میں ہندوستان سے آیا ہوں، وہاں تمھارے والد کی شان و شوکت اور دولت مندی کا میں نے مشاہدہ کیا ہے، کیا وہ تم لوگوں کی مالی مدد نہیں کرتے؟'' نوجوان نے بڑی بیزاری سے کہا ''ہمیں ان باتوں کا علم ہے''۔ یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ میرے پوچھنے پر اس طالب علم نے بتایا کہ یہ شخص جیل کا ناظر (انسپکٹر) ہے اور یہ نوجوان کسی مسجد کا امام ہے جس کی اجرت ایک درم یومیہ ہے اور یہ ناظر بندی خانہ اسے یہ اجرت دیتا ہے۔ اب اگر یہ ناظر اس نوجوان کے ہاتھ سے نکل گیا، تو بیچارہ ایک دن کی مزدوری سے محروم رہ جائے گا۔ یہ سن کر مجھے عباسی کی بے حسی اور قطع رحمی پر سخت تعجب ہوا کیونکہ عباسی کو مختلف موقعوں پر جو شاہی خلعت ملتی تھی، اگر اس میں ٹنکے ہوئے ہیروں میں سے ایک ہیرا بھی وہ اپنے اس نادار بیٹے کو بغداد بھیج دیتا، تو وہ فاقہ کشی اور اس ذلت آمیز اجرت کے لیے گداگرانہ عمل سے محفوظ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ اس ''حال بد'' سے اپنے بندوں کو اپنی پناہ میں رکھے'' [۱۳]

غیاث الدین محمد عباسی کی تنگ مزاجی، کج خلقی اور سلطان محمد بن تغلق کی چاپلوسی اور سفلگی کے اس واقعہ کو نقل کر کے ہم، اس بات چیت کے دوسرے پہلو کی جانب متوجہ ہوں گے اور ان مصری عباسی خلفاء کی مسکنت کا کسی قدر اختصار میں ذکر کریں گے:۔

ابن بطوطہ رقم طراز ہے کہ غزنین کا بادشاہ بہرام دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی بڑی آؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھگت کی اور شہر سیری کی ایک حویلی میں اسے ٹھہرایا۔اس کے مستقل قیام کے لیے یہ حکم دیا کہ شہر میں ایک نیا محل تعمیر کیا جائے جب غیاث الدین محمد عباسی کو اس کا پتا چلا، تو بڑا جزبز ہوا اور غیض وغضب سے مغلوب ہو کر اسی وقت قصر سلطان میں (جو شہر جہاں پناہ میں تھا) پہنچا۔قصر کے باہر اس فرش (بساط) پر جو اس کے لیے بچھایا جاتا تھا، براجمان ہوا اور اندر جانے کے بجائے وزیر سلطنت کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ''جا کر خداوند عالم (سلطان) سے کہہ دو کہ انھوں نے مجھے جو مال واسباب دیئے ہیں، وہ سب میرے پاس محفوظ ہیں، ان میں ایک حبہ کی بھی کمی نہیں ہوئی ہے، بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے اور اس میں ''بڑھوتی'' ہی ہوئی ہے (اس شبہہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ یہ چشم وچراغ خانوادۂ عباسیاں، کہ اسلام کے فریاد رس، ملجا و ماوا یعنی غیاث الدین کے لقب سے ملقب تھے، کیا سودی کاروبار بھی کرتے تھے کہ اس میں ''بڑھوتی'' اور رباء کی کافی گنجائش پائی جاتی ہے) سلطان سے جا کر کہہ دو کہ ''اب میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور واپس چلا گیا۔اس پر وزیر کو بڑی حیرت ہوئی۔اس نے وہاں موجود افسروں سے عباسی کی برہمی وخفگی کا سبب دریافت کیا۔لوگوں نے کہا کہ سلطان نے شہر سیری میں بادشاہ غزنہ کے لیے محل تعمیر کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس پر غیاث الدین محمد عباسی سخت برہم ہے۔وزیر نے سلطان کی خدمت میں باریاب ہو کر اس ڈرامائی صورت حال سے اسے آگاہ کیا (اب قاری کو انتظار ہوگا کہ سلطان شعلۂ جوالہ کی طرح بھڑک اٹھا ہوگا' جلادوں کو حکم دیا ہوگا کہ بدبخت عباسی کو پکڑ کر قصر شاہی میں لائیں، اس کا سر قلم کریں اور کھال کھینچ کر اس میں بھس بھر دیں، پھر اس نشان عبرت کو تمام ممالک محروسہ میں تشہیر کی غرض سے گشت کرائیں۔اس کے بعد اسے عراق، ایران، خراسان وماوراء النہر نشان امتیاز کے بطور روانہ کریں، تاکہ سلطان کے جاہ وجلال سے وہاں کی سرزمین تھرا جائے اور آسمان لرزہ براندام ہو جائے۔''لعنت خدا'' ہولاکو کی اولاد جو 'ایل خانیوں' کے نام سے عراق وایران میں اورنگ آرائے سلطنت ہے، یہ دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جائے کہ ان کے پرکھے ہولاکو نے غیاث الدین محمد عباسی کے دادا مستعصم باللہ کے ساتھ کیوں نہ ایسا ہی سلوک کیا اور

© rasailojaraid.com